احمد ندیم قاسمی کی غزل میں پاکستانی ثقافتی عناصر

طارق محمود

Tariq Mahmood

Ph.D Scholar, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

ڈاکٹر رابعہ سرفراز

Dr. Rabia Sarfraz

Associate Professor, Department of Urdu,
Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

"The personality of "Ahmad Nadeem Qasmi" is not dependent on any fame. It is not possible to refuse his creative talent. He has decorated his personality with aspects of different kinds, and he has tried in different literary types and has succeed. His every literary step has got success. He has seen in the shape of a patriot. "Ghazal Go", In his literary Journey. His literary work is the proof of his partition. And his "Ghazal" has got prominent place in it. It has tried to prominent the cultural issues with the help of his "Ghazals." Here it is tried to prominent Pakistani cultural issues with the help of Nadeem's thinking and the suggestions of different critics and the help of his poetry. The difference between death & life is the wealth of social life, and Nadeem has presented it in wide shape after combing it. His "Ghazal" is the beautiful shape of cultural issues. Pakistani culture has seen to cover progressive steps in it."

ہر انسان کی طرح ادیب، شاعر یا فنکار کی وابستگی اپنے ماحول اور تہذیب وثقافت سے ہوتی

ہے۔ یہی تعلق وربط اُس کی تخلیقات میں جھلکتا ہے۔ یہ ایک عام سی بات لگتی ہے لیکن اس کی جڑیں معاشرہ سے منسلک ہوتی ہیں۔ جب ادیب یا شاعر اپنے جذبات واحساسات اور تخیل کو صفحہ قرطاس کی زینت بنانا چاہتا ہے تو غیر ارادی طور پر اس کی تحریر میں اُن خیالات کا عکس شامل ہوتا ہے جو اُس کے تحت الشعور میں موجزن ہوتے ہیں۔ معاشرہ کے جملہ امور جن میں اقدار، روایات اور رسم ورواج وغیرہ شامل ہیں۔ تخلیق کار ان امور سے محبت کرتا ہے اور ان کے فروغ کے لیے کوشاں رہتا ہے۔ اسی طرح ادیب وشاعر ملک کی نظریاتی سرحدوں اور ثقافتی اقدار کے امین ہوتے ہیں۔

اردو شعر وادب میں احمد ندیم قاسمی کا نام بڑا معتبر اور قابل بھروسا ہے۔ انھوں نے ایک ادیب، شاعر، افسانہ نگار اور ناقد کی حیثیت سے ارض پاک کی نظریاتی اقدار کا نہ صرف دفاع کیا ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی اس کی تہذیبی وثقافتی اقدار کو اجاگر کیا ہے۔ بطور شاعر اُن کی شخصیت متنوع خوبیوں کی حامل ہے۔ ندیم کی غزل میں ثقافتی عناصر کا پرچار ابتدا ہی سے تھا۔ اُن کی اس خوبی کے متعلق جمیل ملک یوں رقم طراز ہیں:

> ''اپنے عہد کو سماجی اور تہذیبی اقدار سے اپنا رشتہ استوار کر کے اسے فروغ دیتا رہا۔ اُس کی نسلی شرافت ونجابت اور دیہات کا پاکیزہ ماحول بھی اس کے ہم رکاب رہتا ہے۔''(۱)

ندیم کی شاعری کا امتیاز ہے کہ انھوں نے اپنا ربط زمین کے ساتھ گہرا رکھا ہے اور اردو شاعری میں زمین وآسمان کے باہمی تعلق جا بجا بیان کیا ہے۔ زمین کو ثقافت کے فروغ کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ ہر ثقافت کی اپنی مخصوص اقدار ہوتی ہیں۔ ندیم کی غزل میں ثقافت کے اظہار کے حوالے جمیل ملک کا اقتباس ملاحظہ کریں:

> ''اس کا تخیل جذبے اور فکر کے درمیان ربط باہم کا کام کرتا ہوا اُسے آسمان کی بلندیوں کی طرف لے اڑتا ہے۔ مگر چونکہ بحیثیت مفکر اس کا فلسفہ حیات ارضی ہے اور بحیثیت فنکار اس کی جڑیں زمین دل میں ہیں۔ اس لیے وہ آسمان کی مہم سر کرنے کے بعد ہر بار زمین پر اتر کر آوارہ خرامی اور آزادہ روی کا رویہ اختیار کر لیتا ہے۔''(۲)

انھوں نے قیام پاکستان سے قبل شاعری کا آغاز کیا تھا لیکن زمین اور ثقافت سے محبت اُن کے خمیر شامل میں تھی۔ انھوں نے ابتدا ہی سے ارض اور ارضی اقدار سے محبت کی تھی لیکن قیام پاکستان کے بعد لگاؤ مزید پختہ ہو گیا۔ اُن کی ذہنی اپج غلامی کے دور میں ثقافت سے جڑی ہوئی تھی اور کسی بھی فنکار کی فکری جہات کا رخ اُس کے افکار کا پتا دیتی ہیں۔ ندیم کی غزل میں وطن سے محبت کا اظہار جا بجا ہے۔ کبھی کبھی تو گمان ہوتا ہے کہ ندیم کی شخصیت ہی پاکستان ہے۔ جب وہ ملک کو کسی امتحان میں مبتلا

دیکھتے ہیں تو اندر سے ٹوٹ کر بکھر جاتے ہیں اور وطن کے دکھ، درد کو اپنے اوپر محسوس کرتے ہیں۔ جب ایسے فرد کو اپنے جذبات کے اظہار کا موقع ملتا ہے تو اس کی آواز میں ملک کی تہذیب و تمدن بول رہی ہوتی ہے اور اس کی شاعری میں سے ثقافت جھلک رہی ہوتی ہے۔ فتح محمد ملک کی رائے میں:

> ''سوز وطن احمد ندیم قاسمی کی صد رنگ شعری شخصیت کا صرف ایک رنگ ہے۔ یہی رنگ گہری سچی اور رچی ہوئی پاکستانیت کا رنگ ہے۔ اس رنگ کی چھوٹ شعری شخصیت کے باقی ماندہ رنگوں پر کچھ یوں پڑ رہی ہے جیسے تمام رنگ اسی ایک رنگ کے گونا گوں عکس ہوں۔ یہی رنگ ستمبر ۱۹۶۵ء سے مسلسل گہرا ہوتا چلا جا رہا ہے۔'' (۳)

ہماری معاشرت میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کے سوا کسی کو عبادت کے ۔۔لائق نہیں سمجھا جاتا ہے۔ شاعر اپنی عاجزی کا اظہار کر رہا ہے کہ اُس کی مدد کے بغیر ہماری ہستی بے معنی اور فضول ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت انسان کی فطرت میں ہے۔ دنیا کے حکمران بھی اسی کی مخلوق ہیں۔ اسی سوچ و فکر کے موجب لوگوں میں احساس بیدار ہو رہا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک کی بارگاہ سے ہی طلب کیا جائے۔ اسی سوچ کا اظہار وہ یوں کرتے ہیں:

حاکموں سے نہیں اللہ سے مانگے گی حقوق
میرے گھر کی نئی نسلوں کو جواں ہونے دو(۴)

حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو اس کی اولاد کو آدمی کا نام دیا اور جب معاشرہ کی بنیاد رکھنے کی ضرورت پڑی تو انسان کے مرتبے پر فائز کیا جب آدمی انسان کی منزل طے کرتا ہے تو اس وقت اپنی ذات کی نفی کرتا ہے اور دوسروں کے لیے اپنے دل میں پیدا کرتا ہے۔ وہ ذاتی مفاد کی جگہ قومی و اجتماعی مفاد کو ترجیح دیتا ہے۔ اسی لیے حضرت آدم علیہ السلام کی حقیقت کے بارے میں آگاہ کر رہے ہیں۔ اُن کو مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔ وہ اللہ سے انسان کی بنا کی بات کرتے ہیں۔ انسان انس سے بنا ہے۔ جس کا مطلب ہے پیار محبت شعر میں اس کو یوں ڈھالتے ہیں:

مٹی سے اگر بنا تھا آدم
انسان تو پیار سے بنا ہے(۵)

انسان ہمت و استقلال اور جرأت کی علامت ہے۔ اس نے تہذیب و تمدن کے میدان میں جو ترقی کی وہ اس بات کی مظہر ہے کہ اس نے پستیوں سے سفر شروع کر کے بلندیوں کی طرف مراجعت کی ہے۔ اس نے اپنی پوشیدہ صلاحیتوں کو بروئے کار لایا اپنی اور دوسروں کی ذات کے درمیان محبت و اخوت کا رشتہ قائم کیا۔ زندگی کو اصول و ضوابط اور اخلاقی اقدار کے زیر اثر گزارنے کی طرف راغب کیا۔

موت کے بارے میں جو خیالات تھے اس میں تیزی سے تبدیلیاں آ رہی ہیں۔ روزمرہ کی

سائنسی ترقی نے انسان کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے کہ اس کی بنائی چیزوں میں حساب کتاب محفوظ رکھنے کی صلاحیت موجود ہے تو اللہ تعالیٰ کی طاقت کتنی ہوگی۔ اب اسے یقین کامل ہو گیا ہے کہ یہ موت ایک پل کی مانند ہے جس میں گزرنا ہی پڑے گا۔ موت ایک ایسی اٹل حقیقت کا نام ہے جس سے مفر نہیں ہے۔ کائنات میں نئے لوگ آ رہے ہیں لیکن تمام تر انسانی بقا کی کوششوں کے لوگ عدم کے سفر پر جا رہے ہیں۔ موت ایک حقیقت ہے لیکن اس کے بارے میں نظریات میں تفاوت پایا جاتا ہے۔

کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا
میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا(۶)

زندگی اور موت ہستی کے کونے میں ایک سے آغاز اور دوسرا انجام برپا ہوتا ہے۔ یہ ایک ایسا سفر ہے جس کے خلاف انسان اپنے لیے اعمال کا سہارا لیتا ہے جو اُسے روزِ قیامت کام آئے گا۔ اگر انسان اس کی حقیقت کو اپنے خیالات پر تولنا شروع کر دے تو صفر جمع صفر برابر صفر ہوگا لیکن حقیقت کی طرف مراجعت کرے تو پھر نیک اور بد اعمال اس کے انجام کی نشان دہی کرتے ہیں۔ یہاں ندیم زندگی اور موت کا تقابل کرتے ہیں:

زندگی ، تیرا ارادہ موت تیرا فیصلہ
سوچتا ہوں تیرے ہونے میں کسی قابل بھی ہوں(۷)

جس طرح موت حقیقت ہے اس طرح مر کے جی اٹھنا بھی امر ربی ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے بعد روز قیامت ہوگا لوگوں کے اعمال کا حساب کتاب کیا جائے گا۔ نیک لوگوں کو جنت اور گناہ گاروں کو دوزخ ملے گی آقا ﷺ نے جنت یعنی خلد کے بارے میں بہت سی معلومات دی ہیں اور جن کا قرآن پاک میں اکثر مقامات پر ذکر ہے۔ تو پھر شاعر کس طرح اس بات سے پیچھے رہ سکتے تھے۔ اس بارے میں احمد ندیم قاسمی کے افکار کچھ یوں ہیں:

خاک پر خلد بریں کی باتیں
چاند پر جیسے زمین کی باتیں(۸)

اخوت و بھائی چارہ ایک ایسی خوبی ہے جس پر معاشرتی استحکام اور ثقافتی فروغ کا انحصار ہے۔ بھائی چارہ پاکستانی ثقافت کا لازمی جزو ہے۔ اس کو شعراء کرام نے نہایت محبت سے بیان کیا ہے۔ انھوں نے پیار کے پھیلاؤ کے لیے انا کی قربانی دینے کی ترغیب دی ہے۔ وہ محبت کو فروغ دینے کا مصمم ارادہ کیے ہوئے ہیں:

پیار کے دائرے کو تنگ کروں
یعنی اپنی انا سے جنگ کروں(۹)

کسی بھی معاشرے اور تہذیب کی ترقی اس کی تخلیقی سوچوں پر مبنی ہے۔ کسی معاشرے میں

رہنے والے لوگ جتنے زیادہ تخلیقی ذہن کے ہوں گے وہ معاشرہ اتنا ہی زیادہ ترقی کی طرف گامزن ہوگا۔ تخلیق کا جذبہ معاشرتی وثقافتی ترقی کے لیے بے حد ضروری ہے۔ اس جذبے سے معاشرہ کو فروغ ملتا ہے اور تمدن کے ارتقائی مراحل طے ہوتے ہیں۔ بقول ندیم:

انسان نے تخلیق سے اب تک جو کیے طے
وہ مرحلے گزرے ہیں تیری راہ گزر تک(۱۰)

جب انسان اپنے رب سے بے لوث لو لگا لیتا ہے تو اسے خالق کی یکتائی کا پختہ یقین ہو جاتا ہے جب انسان گومگو کا شکار ہوتا ہے تو وہ وہم اور الجھنوں کے جال میں پھنستا ہے۔ کلچر یا ثقافت میں اقدار کے معاشرتی رجحانات کا انحصار انسانی عقائد کی پختگی پر ہوتا ہے اور اس کی اقدار تشکیل پاتی ہیں۔ ہر ثقافت میں اعلیٰ اقدار کے ساتھ ساتھ منفی اقدار بھی ہوتی ہیں جن کا تعلق فرد سے ہوتا ہے۔ لیکن وہ پورے معاشرے میں سرایت کر جاتی ہیں اور اسی طرح وہم منفی اور یقین مثبت قدر ہے اور موقع ومحل کے ساتھ اپنی اہمیت وافادیت بدلتی رہتی ہیں۔

معاشرتی زندگی میں ایمان اور عقائد کا اثر اعمال پر پڑتا ہے اور پاکستانی معاشرہ پر اسلامی عقائد کا بڑا اثر ہے۔ زندگی میں اگر جزا وسزا کا تصور نہ ہو تو زندگی بے معنی ہے اور اس دنیا کو آخرت کی تیاری کے لیے میدان قرار دیا گیا ہے۔ حشر وقیامت کا موضوع بھی ایسا ہی ہے۔ اس بارے میں احمد ندیم قاسمی یوں لکھتے ہیں:

دن کٹا بھی تو اس اندیشے میں
پھر قیامت کی شب تار آئی(۱۱)

جیسے جیسے انسان نے تمدنی طور پر ترقی کی ہے۔ منزل سے پیچھے مڑ کر دیکھنا بھی ڈراؤنے خواب کی مانند ہے۔ انسانی زندگی کے تمام امور میں نیت کو مرکزی چشمہ یا منبع قرار دیا جا سکتا ہے۔ اچھا سے اچھا عمل نیت کی خرابی سے تباہ برباد ہو سکتا ہے۔ جو بھی کام کیا جاتا ہے اس میں نیت کا خاصا عمل دخل ہے۔ آپ ﷺ کی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ تمام امور کا انحصار نیتوں پر ہے:

زندہ رہنے کی ہو نیت تو شکایت کیسی
وقت کی زد میں ہیں یادوں کے خزانے میرے(۱۲)

چلمن ہماری ثقافت کا خوبصورت رنگ ہے۔ یہ اپنے اندر ایک خوبصورت حیا کا پہلو لیے ہوئے ہے چلمن شرم وحیا کا استعارہ ہے۔ یہ دروازے کے آگے لٹکائی جاتی ہے تاکہ غیر محرم کی نظر گھر کے اندر نہ پڑے۔ شعراء کرام چلمن کو بطور تشبیہ اور استعارہ استعمال کرتے ہیں۔ قاسمی نے اسے یوں رقم کیا ہے:

چلمن میں گلاب کھل رہا ہے
یہ تو ہے کہ شوخی صبا ہے(۱۳)

لباس ہر ثقافت کی پہچان ہے اور قبا ایک خاص قسم کا لباس ہے۔ یعنی لباس بھی ثقافت کے اظہار میں نمایاں ہے اور اس کو انسان کی ضرورت بھی کہیں گے اور علاقائی پہچان بھی۔ لباس کی اپنی خصوصیت اور پہچان ہوتی ہے۔ پولیس، فوج، طالب علم، ڈاکٹر اور نرسیں وغیرہ اپنے لباس سے پہنچانے جاتے ہیں۔ اسی طرح گاؤں اور شہر کے باشندوں میں لباس سے ایک خاص پہچان ہوتی ہے۔ یہ شخصیت کے نکھار میں بڑا اہم ہوتا ہے۔ پاکستان کے تمام علاقوں اپنے اپنے لباس ہیں جو کپڑے خوبصورت اور جاذب ہیں اور مقامی خوبیوں سے مزین ہیں۔ قاسمی صاحب نے اس کو روح جیسی قدر سے منسلک کیا ہے:

اُسی کی قبا بھی نقاب صنم تھی میرے گر بیان کی مانند
اس لیے تو شیخ حرم سے اپنا بہت یارانہ چلا(۱۴)

مسجد ہماری تہذیب وثقافت کی بہت بڑی علامت ہے۔ اس کے بغیر پاکستانی ثقافت کی عمارت مکمل نہیں ہوتی لیکن وقت نے انسانی ایمان کو کمزور کر دیا ہے۔ قاسمی اس کو مسلمانوں کی اسی کمزوری کے ساتھ بیان کرتے ہیں:

مسجد کے اندر مسجد تعمیر ہوئی
جذبے ٹھنڈے سجدے بے تاثیر ہوئے(۱۵)

جنازہ غم کا استعارہ ہے۔ اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک فرد اس دنیا سے سفر آخرت پر روانہ ہو رہا ہے۔ اگر کیفیت کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے۔ زندگی میں اگر کسی سفر پر روانہ ہونا ہو تو عزیز و اقربا اسے نیک دعاؤں اور خواہشات کے زادرہ دے کر بھیجتے ہیں۔ مسلمانوں کی ثقافت میں جنازے بہت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں:

اپنے کاندھوں پر جنازے لیے اپنے اپنے
ہم کروڑوں میں مگر پھر بھی اکیلے کیوں ہیں(۱۶)

جب انسان اس فانی دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو پھر قبر اُس کی آخری پناہ گاہ ہوتی ہے۔ نیک لوگوں کی قبر جنت کی مانند ہے اور کافروں کی قبر دوزخ جیسی ہے۔ کیونکہ جزا و سزا کا عمل قبر سے شروع ہو جاتا ہے۔ قاسمی اس کے بارے میں لکھتے ہیں:

دیکھ کر قبر سے اگتا ہوا پھول
اپنا معیار بقا یاد آیا(۱۷)

مسلسل جدوجہد کا نام زندگی ہے۔ محنت کرنے والے کامیاب ہو جاتے ہیں۔ کاہل اور سست لوگ ناکامی و نامرادی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ باہمت لوگ مشکلات میں گھبراتے نہیں بلکہ وہ ان پر قابو پا لیتے ہیں۔ بہادر لوگوں کے سامنے پہاڑ بھی رائی بن جاتے ہیں اور وہ بڑے بڑے سمندروں کے سینے چیر کر کے منزل پہ پہنچ جاتے ہیں۔ آرزو زندگی کی علامت ہے اور جب تک نبض چلتی رہتی ہے۔ اس وقت

تک انسان کے اندر بہت سی امنگیں سر اٹھاتی رہتی ہیں جسے قاسمی صاحب نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے:

رکے جو لوگ تو اک آب جو بھی دریا
اتر گئے تو سمندر بھی تا کمر نکلے(۱۸)

غم حیات اور غم روزگار ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ حیات کو بقا کے لیے خورد و نوش اور لباس وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کے لیے روزگار کی ضرورت ہوتی ہے۔ دنیا میں مشکلات اتنی بڑھ گئی کہ قدم قدم پر خطرات درپیش آ رہے ہیں۔ مسابقت کی دوڑ میں اخلاقی اقدار کو بھی پس پشت ڈال دیا جاتا ہے۔

غم حیات غم عشق ہی سہی لیکن
کہیں تہوں میں چھپا دور روزگار بھی ہے(۱۹)

نیکی اور احسان کرنا مسلمان کی فطرت ثانی ہے۔ ایثار و قربانی سے اسے دلی خوشی نصیب ہوتی ہے اور وہ یہ احسان جتلاتے بھی نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق بھی احسان کرنے کا حکم ہے اور جو احسان کر کے جتلاتے ہیں۔ ان کی نیکی کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی نے بڑی خوبصورت بات کہی کہ احسان کرنے سے انسان کے مقام و مرتبہ میں اضافہ ہو جاتا ہے اور اگر انسان کم ظرفی پر اتر آئے تو اشرف المخلوقات کے درجہ سے گر کر جانوروں کے زمرے میں آ جاتا ہے۔ احسان کرنا پاکستانی تہذیب کا طرہ امتیاز ہے اور ثقافت کا نمایاں عنصر ہے:

اتنی بلندیوں سے تہوں میں اتر نہ جانا
احسان کر چکا ہے تو احسان دھر نہ جا(۲۰)

اگر انسان اپنے بچپن کا تصور کرے تو اسے ماں، نانی، دادی، پھوپھی اور خالہ کی رس بھری آواز کی گونج آج بھی کانوں میں سنائی دیتی ہے۔ ذرا تصور کی آنکھ سے اس منظر کا نظارہ کریں بچہ رو رہا ہے اور اس کو لوری سنائی جا رہی ہے۔ وہ بچہ رونا چھوڑ کر اس لوری کو سنتا ہے، جس کو پاکستانی ثقافت میں بڑی اہمیت حاصل ہے اس کا اظہار قاسمی صاحب نے بھی کیا ہے۔ ندیم نے یار کو لوری کے تشبیہ دی ہے:

کہیں یہ عشق کا اظہار ماندگی تو نہیں
کہ تیری یاد بھی آئی ہے لوریاں بن کر(۲۱)

بعض لوگ چاپلوسی سے دوسروں کو رام کر لیتے ہیں اور اپنے غلط کام بھی نکلوا لیتے ہیں جو لوگ حق پرست ہوتے ہیں وہ کسی کی جھوٹی تعریف کرنے کی بجائے سچ بولتے ہیں اور حق کا ساتھ دیتے ہیں معاشرے کی بقا بھی اسی میں ہے۔ حق گوئی کسی بھی معاشرے کا حُسن ہوتی ہے۔ ندیم کہتے ہیں:

میں وہ شاعر ہوں جو شاہوں کا ثنا خواں نہ ہوا
یہ ہے وہ جرم ، جو مجھ سے کسی عنوان نہ ہوا(۲۲)

یہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا نقارہ ہے کہ مادیت پرستی چھوڑ کر فلاح و کامیابی کی طرف آ جاؤ جب یہ ادا کی جاتی ہے تو فضا میں خاص قسم کا سرور آ جاتا ہے۔ اذان پاکستانی کلچر کو دوسرے کلچروں سے منفرد کرتی ہے۔ یہ ایک پکار جو مسلمانوں کو اللہ کی خاطر نماز ادا کرنے کا پیغام دیتی ہے:

اذان صبح سے شب کا علاج کیا ہوگا
مجھے تو تیرا ہی چہرہ ہوگا(۲۳)

ندیم نے غزل کے ذریعے بھرپور انداز میں پاکستانی ثقافت کو اجاگر کرنے کی سعی کی ہے اور ثقافتی عناصر کے اظہار میں تشبیہ و استعارات کو جذبات و احساسات میں غوطہ زن ہو کر بروئے کار لاتے ہیں۔ وہ الفاظ و تراکیب اور علامات کو فنی مہارت اور حسن ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے استعمال میں لاتے ہیں۔ انھوں نے اردو شعر و ادب کا دامن خوبصورت تشبیہات، استعارات، تلمیحات اور رعائت لفظی سے روشن کر دیا ہے اور پاکستانی تہذیب و تمدن اور معاشرت کو حب الوطنی سے سرشار ہو کر بیان کرتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ موتیوں کی مالا پروئی ہوئی ہے۔ ثقافتی عناصر کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہوئے سادگی و سلاست سے اشعار کا روپ دیتے ہیں۔ اُن کی غزلوں میں وطنیت کا نمایاں اظہار ہے اور اشعار ثقافتی ترجمان بن کر سامنے آتے ہیں۔ وہ عقائد، افکار، نظریات، روایات اور رسوم کو مدنظر رکھتے ہوئے قومی معاشرت کو موضوع سخن بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار نہایت عاجزی سے کرتے ہیں اور آدمؑ کی تلمیح سے تخلیق کائنات کے مقاصد کو نمایاں کرتے ہیں۔ موت و حیات کے فلسفہ کو روزِ حساب کے تناظر میں پُرتاثیر اور جامع انداز میں بیان کرتے ہیں۔ وہ معاشرہ پر بڑی گہری اور عمیق نظر ڈالتے ہیں اور ثقافتی عناصر کو ایک خوشبودار گلدستہ کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ وہ ان کو تجسیم عطا کرتے ہیں اور وہ مجسم صورت میں رواں دواں نظر آتے ہیں۔ اگر کہا جائے ندیم کی شخصیت پاکستانی معاشرہ کی مورت ہے تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

حوالہ جات

۱۔ جمیل ملک، ندیم کی شاعری (فکر، فن، شخصیت)، راولپنڈی: نوید پبلشرز، طبع اوّل، ۱۹۷۲ء، ص:۱۵۲
۲۔ ایضاً، ص:۱۴۰
۳۔ فتح محمد ملک، تحسین و تردید (مضامین)، راولپنڈی: اثبات، اشاعت اوّل، ۱۹۸۴ء، ص:۱۲۲
۴۔ احمد ندیم قاسمی، لوحِ خاک لاہور اساطیر، اشاعتِ ثانی، اکتوبر ۱۹۹۱ء، ص:۲۰
۵۔ احمد ندیم قاسمی، محیط، لاہور: اساطیر، بیسواں ایڈیشن، جنوری ۲۰۰۰ء، ص:۴۲
۶۔ ایضاً، ص:۱۵۹
۷۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، دہلی: مکتبہ علم و فن، نومبر ۱۹۶۵ء، ص:۱۱۷
۸۔ ایضاً، ص:۱۷

۹۔ احمد ندیم قاسمی، لوحِ خاک، ص:۸۸

۱۰۔ احمد ندیم قاسمی، دشتِ وفا، ص:۱۷۱

۱۱۔ ایضاً، ص:۹۷

۱۲۔ احمد ندیم قاسمی، لوحِ خاک، ص:۱۶

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی، محیط، ص:۴۰

۱۴۔ ایضاً، ص:۲۱

۱۵۔ ایضاً، ص:۳۲۱

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۳۳

۱۷۔ ایضاً، ص:۳۲

۱۸۔ ایضاً، ص:۲۱۲

۱۹۔ ایضاً، ص:۳۳

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۳۱

۲۱۔ ایضاً، ص:۲۳۵

۲۲۔ ایضاً، ص:۷۸

۲۳۔ ایضاً، ص:۲۱

☆.....☆.....☆